سوال

(252) ورثاء میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین صورت ذیل میں کہ نظام الدین نے انتقال کیا۔چھوڑا تین لڑکے : ابراہیم ،ولی محمد، عظیم اللہ کو ،اور ابراہیم کے تین لڑکے : رفیع الدین ، عبدالرحمن، عبداللہ بعدہ انتقال کیا رفیع الدین نے ،چھوڑااپنے باپ ابراہیم کو اور دو بھائی عبداللہ و عبدالرحمن کو ،اور ایک لڑکے عبدالخالق کو اور ایک بیوی مریم کو اور انتقال کیا عبداللہ نے ،چھوڑا :اپنے باپ ابراہیم کو اور ایک بھائی عبدالرحمن اور دو لڑکے عبدالقیوم، عبدالحئی کو ،اور پانچ لڑکیوں کو اور ایک بیوی کو اور بھتیجے عبدالخالق کو۔ بعدہ ابراہیم نے انتقال کیاچھوڑا :اپنے ایک لڑکے عبدالرحمن کو اور دو بھائی عظیم اللہ اور ولی محمد کو۔ بعدہ عبدالرحمن نے انتقال کیا،چھوڑاایک لڑکے قادر بخش کو اور ایک بیوی عائشہ کو اور چچا عظیم اللہ و ولی محمد کو،اس کے بعد ولی محمد نے انتقال کیاچھوڑاایک بھائی عظیم اللہ کو اور دو لڑکے عبدالغفور و عبدالجبار کو بعدہ قادر بخش نے انتقال کیاچھوڑاماں اور بیوی اور تین لڑکے عبدالعزیز عبدالرحیم ونذیر اور ایک لڑکی فاطمہ کو۔

نظام الدین کے متروکہ مکان کے بابت عبدالخالق کا بیان ہے کہ ہمارے دادا ابراہیم نےاپنے لڑکے عبداللہ کو اس میں سے نکال کر ہم کو اس مکان میں رکھ دیا۔ لیکن اس کا کوئی گواہ یا تحریری ثبوت نہیں ہے۔ اوران کے بعدچچا عبدالرحمن بھی اپنی بیوی عائشہ اوراپنے لڑکے قادر بخش کے سامنے مرض الموت کی حالت میں کہہ گئے کہ میں نے یہ مکان عبدالخالق کو دے دیا ہے (لیکن عائشہ و قادر بخش دونوں فوت ہوچکے ہیں) ان دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی اپنی اولاد سے اس کا ذکر نہیں کیا کہ اس مکان کو عبدالرحمن نے عبدالخالق کو دیدیا ہے۔ ہاں تقریباپچاس برس سے عبدالخالق اس مکان پر قابض و متصرف ہیں ،اور حسب ضرورت اس کی مرمت وغیرہ کے اخراجات وہی اٹھاتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر اس مکان میں دوسروں کا بھی حق ثابت ہو، تو اس صورت میں وہ اپنے اخراجات کا ان حق داروں سے مطالبہ کرنے کا شرعا حق رکھتے ہیں یا نہیں ؟ اور ان حق داروں پر ان اخراجات کی ادائگی واجب ہے یا نہیں ؟۔

اور عبدالقیوم کا بیان ہے کہ اس مکان کو عظیم اللہ نے ہم کو دیا (اس کا کوئی گواہ یا تحریری ثبوت نہیں ہے)

سوال یہ ہے کہ نظام الدین کے متروکہ مکان کے حقدار کون کون ہیں اور وہ شرعا کس طرح تقسیم ہوگا ؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ورفع موانعہ نظام الدین کے مرنے کے بعد، ان کے متروکہ مکان کے حق داران کے تینوں بیٹے ابراہیم ،ولی محمد، عظیم اللہ ہوئے ۔ اس کے بعد نظام الدین

کے ورثہ میں سے پہلے ابراہیم کا انتقال ہوا ہے (رفیع الدین اور عبداللہ نظام الدین کے وارث نہیں ہیں اس لئے ان کے پہلے مرنے کا ہم نے لحاظ نہیں کیا) لیکن چوں کہ ابراہیم کے حق کی بابت ان کے ورثہ اور عبدالخالق ولد رفیع الدین کے مابین نزاع ہے اس لئے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس کے بعد ولی محمد کا انتقال ہوا ہے اس لئے ان کا حق ان کے دونوں لڑکے عبدالغفور اور عبدالجبار کو ملے گا۔ عظیم اللہ کے مرنے کا ذکر سوال میں نہیں ہے اس لئے اگر وہ زندہ ہوں تو خود ان کو ورنہ ان کے ورثہ کو یہ حق ملے گا۔ ان کے حق کی بابت عبدالقیوم ولد عبداللہ کا یہ دعوی کہ عظیم اللہ نے اپنا حق ہم کو دے دیا ہے، شرعا قابل سماعت نہیں ہے، اس لئے کہ شہادت اور ثبوت نہ ہونے کے علاوہ اس مکان پر عبدالقیوم کا قبضہ بھی نہیں ہے، اور بغیر قبضہ کے "ہبہ" تام نہیں ہوتا ہے۔ ابراہیم کا معاملہ تو جہاں تک ظاہر حالات اور قرائن کا تعلق ہے، ان کے حق کی بابت عبدالخالق کا کہنا بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جب یہ سب کو تسلیم ہے کہ تقریبا پچاس برس سے تنہا عبدالخالق اس مکان پر قابض بھی ہیں اور متصرف بھی۔ اور یہ قبضہ ان کو ابراہیم اور عبدالرحمن کی زندگی ہی میں حاصل ہوگیا تھا۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس مکان میں نہ رفیع الدین کا کوئی حق تھا اور عبدالخالق کا۔ تو پھر اس پر ان کو یہ مکمل قبضہ آخر حاصل کیسے ہوا؟

اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو یہ کہا جائے کہ عبدالخالق ایسے ظالم بااثر رعب وادب اور جاہ وجلال والے آدمی ہیں کہ زبردستی ابراہیم اور ان کے ورثہ کو اس مکان سے نکال کر بلا کسی استحقاق کے اس پر غاصبانہ قابض ہوگئے، اور ابراہیم کے ورثہ کمزور ہونے کی وجہ سے اب تک اپنا حق ان سے واپس نہ لے سکے۔

اور یا تو یہ کہا جائے کہ رفیع الدین کے مرجانے کے بعد ابراہیم نے اپنے

پوتے عبدالخالق کی یتیمی پر ترس کھایا، اور عبدالرحمن نے بھی اپنے اس محجوب الارث بھتیجے پر شفقت کی نگاہ ڈالی، اور اپنی خوشی اور رضامندی سے، یہ مکان بطور ہبہ کے ان کے حوالہ کر کے خود دوسرے مکان میں جاکر آباد ہوگئے۔ اگر ابراہیم اور عبدالرحمن کے ورثہ پہلی صورت کے مدعی ہوں تو اس کا بار ثبوت ان کے ذمہ ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ حدیثوں میں مروی ہے کہ قبیلہ کندہ کے ایک آدمی کے قبضہ میں کچھ زمین تھی اس پر ایک حضری نے دعوی کیا، اور کہا کہ یہ زمین میرے باپ کی ہے اور اس پر اس کندی نے زبردستی قبضہ کرلیا ہے، کندی نے کہا کہ: نہیں حضور یہ زمین میری ہے۔ میرے قبضے میں ہے اور میں اس میں کھیتی کرتا ہوں، اس کا اس میں کچھ حق نہیں فقال الکندی: ہی ارضی فی یدی أزرعہا لیس فیہا حق فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحضرمی: الک بینۃ؟ قال: فلک یمینہ

"نبی ﷺ نے حضری سے فرمایا کہ: کیا تمہارے پاس اس دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت (بینہ) ہے؟۔ اس نے کہا کہ: نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تب اس صورت میں کندی (مدعی علیہ) کی قسم پر فیصلہ ہوگا"۔ (مسلم (1) 80 ج 1)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے قبضہ اور تصرف میں ہو اور پھر کوئی دوسرا شخص اس قبضہ اور تصرف کو غلط اور ناجائز قرار دے تو اس کا ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔

بظاہر تو یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ عبدالخالق نے زبردستی قبضہ کیا ہو۔ اس لئے کہ اگر واقعی عبدالخالق نے ابراہیم اور عبدالرحمن کی مرضی کے خلاف زبردستی اپنے طاقت کے بل پر اس مکان پر ظالمانہ اور غاصبانہ قبضہ کرلیا ہوتا، تو ان کے خاندان اور وارث میں ضرور اس کا چرچا ہوتا۔ اور یقینا وہ لوگ کہہ جاتے کہ عبدالخالق جس مکان میں رہتے ہیں وہ مکان ہمارا ہے۔ عبدالخالق نے ہم لوگوں سے زبردستی چھین لیا ہے، لیکن اس قسم کی کوئی بات سوال میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ ابراہیم اور عبدالرحمن ہمیشہ ہی عبدالخالق پر شفقت اور محبت کی نگاہ رکھتے تھے، بلکہ انہی لوگوں نے ان کی پرورش کی ہے، یہاں تک کہ عبدالرحمن نے اپنی لڑکی کی شادی بھی عبدالخالق سے کردی تھی، اور ان لوگوں کے تعلقات ہمیشہ ہی خوشگوار اور اچھے رہے۔ اس لئے یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ عبدالخالق نے اس مکان پر زبردستی قبضہ کرلیا ہو۔ لہذا قبضہ کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے دوسری ہی صورت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور جب یہ صحیح ہے تو عبدالخالق کا بیان درست ہوا۔ لہذا ابراہیم کے حق کی بابت ان کا ورثہ کا دعوی غلط ہے اور اب اس حق کے مالک عبدالخالق ہی ہیں۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ قبضہ تو اجازت و رضامندی ہی سے کیا ہے مگر یہ اجازت عارضی تھی اور تملیک نہ تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عارضی ہونے کا ثبوت ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ جب وہ چالیس پچاس برس سے مالکانہ تصرف کرتے رہے جس طرح سے چاہا اپنی مرضی کے مطابق اس کو گرادیا اور جس طرح چاہا اس کو بنوایا۔ اس کی تقریبا تمام دیواروں اور چھاجن وغیرہ کو انہوں نے ردوبدل کر دیا ہے، اور اس طرح اس مکان کی جدید تعمیر وغیرہ پر انہوں نے اپنی کافی رقم خرچ کر ڈالی اور کبھی کسی نے کوئی مزاحمت اور

اعتراض نہیں کیا۔ حالاں کہ سب لوگ اپنی آنکھوں سے عبدالخالق کے ان تمام تصرفات واخراجات کو دیکھ رہے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عبدالخالق اس کو اپنا مکان سمجھتے رہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اس کو عبدالخالق ہی کا مکان سمجھتے تھے اس لئے اب ان لوگوں کا دعوی قابل سماعت نہیں ہے۔ (قال فی فتاوی الولوا لجن رجل تصرف زمانا فی ارض آخر ورجل آخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی والده فترک فی ید المتصرف لان الحال شاہد) (مجموعہ فتاوی عبدالحئی لکھنوی 3/43 یعنی: "دلوالجی کے فتاوی میں ہے کہ ایک شخص کسی زمین پر عرصہ تک متصرف رہااور دوسرا شخص زمین اوراس میں تصرفات دونوں کو دیکھنے کے باوجودخاموش رہااوراس زمین کی بابت کوئی دعوی نہیں کیا۔ تواس کے مرنے کے بعدان کے لڑکے کا دعوی اس زمین کی بابت نہ سنا جائے گا اور زمین جس کے تصرف میں ہے اسی کے قبضہ میں چھوڑدی جائے گی اس لئے کہ ظاہر حال اسی کا شاہد ہے۔ وفی فتاوی الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل لہ بیت فی داریسکنہ مدۃ یزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل الذکورہ یتصرف فی البیت ہدما وعمارۃ مع اطلع جارہ علی تصرفہ فہل اذادعی البیت اوبعضہ تسمع دعواہ ام لا؟ اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی (حوالہ)

یعنی: "فتاوی عزی میں ہے کہ صاحب تنویر سے پوچھا گیا کہ: ایک شخص ایک گھر میں تین برس سے زائد عرصہ سے رہتا ہے اوراس مکان میں تصرفات از قبیل انہدام و تعمیر کرتا رہتا تھا۔ اب اس کا پڑوسی تمام مکان کا یا بعض حصہ کا مدعی ہے، حالاں کہ اسے ان تصرفات کی ہمیشہ اطلاع رہی، تواب اس کا یہ دعوی مسموع ہوگا یا نہیں؟۔ توانہوں نے جواب دیا کہ قول مفتی کے مطابق یہ دعوی قابل سماعت نہیں ہے"۔

عبدالخالق کے اس بیان سے کہ چچا عبدالرحمن نے مرض الموت میں کہا ہے کہ: میں نے یہ مکان عبدالخالق کو دے دیا ہے اگر کسی کو یہ شبہ کو کہ یہ تو وصیت کے حکم میں ہے لہذا صرف ثلث کے حق داریہ ہوسکتے ہیں۔ تواس کا جواب یہ ہے کہ مرض الموت میں عبدالرحمن نے ہبہ نہیں کیا ہے بلکہ اس سابق ہبہ کی تصدیق وتاکید کی ہے جو تندرستی اور صحت کی حالت میں کرچکے تھے۔ لہذااس کو وصیت نہیں قرار دیا جائے گا۔

آخر میں یہ بات میں پھر صاف کردینا چاہتا ہوں کہ اس مکان میں عبدالخالق صرف ابراہیم کے حصہ کے حق دار ہیں ولی محمد اور عظیم اللہ کے حصے کے یہ مالک نہیں ہوسکتے۔

کتبہ نذیراحمد رحمانی مدرس اول

جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس

4/رجب13ھ/5/2/1957ء

حدیث مسئول عنہ کے اصل الفاظ اس طرح ہیں سوابین اولادکم فی العطیۃ ولوکنت مفضلا احد لفضلت النساء

اور ٹھیک اسی طرح یہ حدیث مستفتی کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ الفاظ حدیث پراعراب لگانے اور "ولوکنت" بنانے اور "لفضلت النساء" کے بجائے "الفضیلۃ النساء" لکھنے کی زحمت غالبا مستفتی نے اٹھائی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان پر رحم

فرمائے۔ اولا: توانہیں اس سوال وجواب کا بغیر میری اجازت واطلاع کے، اخبار میں اشاعت کےلیے بھیجنا مناسب نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اصل کے بجائے نقل بھیجنا تھا تو نقل میں احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔

1: میں موجود ہے اوراس کو طبرانی نے معجم کبیر میں، سعید بن منصور نے اپنی سنن میں، ابن عدی نے الکامل میں، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بیہقی نے السنن الکبری میں، ابن عساکرنے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

(2) سنن سعید بن منصور کی سنداس طرح ہے حدثنا اسمعیل بن عیاش عن سعید بن یوسف عن یحیی بن ابی کثیر عن عکرمہ عن ابن عباس قال قال رسولاللہ صلی اللہ علیہ وسلم (زیلعی 4/123) سعید بن منصور کے طریق سے ابن عدی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اور طبرانی نے اس کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی روایت کیا ہے

(3)سعید بن یوسف جو صغار تابعین سے ہیں پر امام احمد، ابن معین، نسائی، محمد بن عوف نے کلام کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: "لیس بشئی" اور ابن معین، نسائی، محمد بن عوف کہتے ہیں: "ضعیف الحدیث"۔ نسائی نے ان کی بارے میں "لیس بالقوی" بھی کہا ہے اور حافظ نے "تقریب" اور "تلخیص" میں ان کو "ضعیف" کہا ہے۔ لیکن ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور ابو حاتم فرماتے ہیں "حدیثہ لیس بالمنکر" اور ابن عدی لکھتے ہیں: "روایاتہ باثبات الاسانید لا باس بھا" اس کے ساتھ ہی ان کی اس حدیث کو انہوں نے منکر بھی بتایا ہے۔ سعید بن یوسف کے بارے میں ابن معین وغیرہ کی جرحوں کے غیر مفسر ہونے اور ان کو مختلف فیہ راوی ہونے کی بنا پر حدیث کی اس سند کو "حسن" کہنا غلط نہیں ہوگا۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب کی دوسرے طریق سے بھی مروی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ نے "درایہ" میں اس حدیث کو سنن سعید بن منصور اور ابن عدی کی روایت سے ذکر کرکے سکوت اختیا کیا ہے۔ اور فتح الباری (5/214) میں اس کی سند کو "حسن" بتایا ہے، اور بیہقی نے بھی اس پر کچھ کلام نہیں کیا ہے۔

اسمعیل بن عیاش کی وہ روایت جو شامی شیوخ سے مروی ہو صحیح اور حسن و مستقیم ہوتی ہے۔ لہذا ان کی وجہ سے اس روایت میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(4)لفظ "اولاد" لغۃ اور شرعا، عرفا، ذکور واناث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ حدیث مذکور میں (فلوکنت مفضلا احد لفضلت احد لفضلت النساء) قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں لفظ اولاد ذکور واناث دونوں کو شامل ہے اور یہ جملہ نہ ہوتا، تب بھی یہ عموم پر ہی محمول ہوتا۔ ()اسی بنا پر عزیزی لکھتے ہیں: "قولہ (قولہ ساووابین اولادکم ای الذکر والانثی الصغیر والکبیر)

(5)"العطیۃ" کے معنی ہیں: مایعطی ومایوھب اور کبھی "الھبہ" کے معنی میں آتا ہے۔ اسی بنا پر عزیزی نے "العطیۃ" کی تفسیر: "الھبہ ونحوھا" کے ساتھ کی ہے۔ اور عطیہ اور ہبہ عام ہے کوئی شخص کسی کو اپنی کل جائداد ہبہ کردے یا بعض۔ بہرحال وہ شرعا لغۃ، عرفا عطیہ ہے۔

مقصود حدیث کا یہ ہے کہ: تم اپنی اولاد ذکور واناث کو عطیہ دینا چاہو تو سب کو برابر برابر دو (خواہ یہ عطیہ تمہاری کل مملوکہ جائداد ہو یا اس کا ایک جزء) دلیل شرعی پیش کرنا اوس شخص کے ذمہ ہے جو اس کے اطلاق و عموم کے خلاف اس سے جزو وجائداد مراد ہونے کا مدعی ہو۔

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 2۔ کتاب الفرائض والھبۃ

صفحہ نمبر 460

محدث فتویٰ